# پاکستان میں قرآن حکیم کی تدریس

محمد طفیل

پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے جس کی اساس دین اسلام پر قائم ہے۔ اگر پاکستان اور اس کے نظام حکومت سے اسلام کو خارج کر دیا جائے تو ایک طرف تو دو قومی نظریہ لغو قرار پاتا ہے اور دوسری طرف پاکستان کا وجود اور بقا کا کوئی منطقی جواز باقی نہیں رہ جاتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ پاکستان کی حکومت اور عوام نہ صرف اسلامی نظریہ پر اعتقاد رکھیں بلکہ اسے اپنی عملی زندگیوں میں بھی اپنائیں۔

اسلام ایک ایسا نظام حیات ہے جس کے جملہ احکام واضح صورت میں ہمارے پاس موجود ہیں۔ ان احکام میں ردوبدل کی کوئی گنجائش اس لئے نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالی کی نازل کردہ کتاب قرآن مجید میں درج ہیں اور قرآن پاک کی حفاظت خود اللہ تعالی نے اپنے ذمہ لی ہے۔ یہ امر عیاں ہے کہ جب اللہ تعالی نے قرآن مجید اپنے بندوں میں نازل فرمایا ہے تو اس کی حفاظت بھی وہ اپنے بندوں کے ذریعہ سے ہی کرے گا۔

پاکستان چونکہ اسلام کی اساس پر استوار ہوا اور اب بھی یہاں کے باشندے اسلامی نظریات و تعلیمات کو اپنی زندگیوں کا جزو بنائے ہوئے ہیں اس لئے اسلام کو صحیح معنوں میں سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ قرآن حکیم کی تعلیم و تدریس عام کی جائے۔ بعض لوگ اس خیال کا اظہار کرتے ہیں کہ قرآن مجید کو عربی زبان میں پڑھنا ضروری نہیں ہے اسے کسی بھی ایسی زبان میں پڑھ لیا جائے جس سے مفہوم سمجھ میں آجائے تو یہ کافی ہے۔

ہمیں اس خیال سے قطعاً اتفاق نہیں ہے اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے

کہ اللہ تعالی نے جس کو قرآن کہا ہے وہ نہ تو صرف عربی الفاظ کا نام ہے اور نہ ھی مفہوم و ترجمہ کا بلکہ یہ دونوں چیزیں مل کر ھی قرآن کہلاتی ھیں ۔ اس لئے اگر کوئی شخص اردو انگریزی یا عربی زبان کے اصل متن کے علاوہ دنیا کی کسی بھی زبان میں قرآن کا مفہوم و ترجمہ پڑھتا ہے تو اسے قرآن مجید پڑھنے والا قرار نہیں دیا جاسکتا ۔ اس کے ساتھ ھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ ارشاد فرمایا کہ قرآن حکیم کا ایک حرف پڑھنے سے دس نیکیاں ملتی ھیں اور پھر وضاحت فرمائی کہ ''الم،، تین حروف ھیں اور اس کے پڑھنے سے تیس نیکیاں ملتی ھیں تو اس حدیث سے بھی واضح ھوتا ہے کہ قرآن مجید کو عربی میں پڑھ کر ھی ثواب حاصل کیا جاسکتا ہے ۔ مزید برآں اصل متن کے علاوہ کسی بھی زبان میں پڑھنے سے دل پر وہ اثر نہیں ھوتا جو عربی متن پڑھنے سے ھوتا ہے کیونکہ عربی متن ھی کلام الہی ہے ۔

مذکورہ بحث سے ھمارا ھرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ قرآن مجید کا کسی اور زبان میں ترجمہ نہیں ھونا چاھئے یا قرآن کا ترجمہ نہ پڑھا جائے ۔ بلکہ ھم یہ کہنا چاھتے ھیں کہ اولاً تو اسلامی ممالک میں عربی زبان کی اس حد تک تدریس ھر بچہ کے لئے ضروری ھونی چاھئے جس سے وہ قرآن مجید کے عربی متن کو سمجھ سکے اور اگر کسی جگہ بعض مخصوص حالات یا ناگزیر وجوہ کی بناء پر ایسا نہ ھوسکے تو پہلے اصل عربی متن پڑھا جائے اور اس کے بعد متعلقہ متن کا ترجمہ ۔ ایسا کرنے میں کچھ وقت تو ضرور صرف ھوگا لیکن قرآن حکیم کی تلاوت کا اصل منشاء یہی ہے کہ متن عربی کو پڑھ کر سمجھا جائے اور اس پر عمل کیا جائے ۔

اس شبہ کا ازالہ کرنے کے بعد اب ھم پاکستان میں قرآن پاک کی تدریس کا جائزہ لیتے ھیں ۔

پاکستان کے نظام تعلیم کو بنیادی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا

جاسکتا ہے۔ نظام مدرسہ اور اسکول سسٹم۔ یہ دونوں نظام جیسا کہ ان کے ناموں سے عیاں ہوتا ہے ایک دوسرے سے نہ صرف الگ ہیں بلکہ ان میں سے ہر ایک میں افراط و تفریط پائی جاتی ہے۔ بظاہر ان میں بعد المشرقین نظر آتا ہے لیکن انہیں اس طرح سے ترتیب دیا جاسکتا ہے کہ ان دونوں نظاموں کو باہم ملا کر ایک ایسا نظام تعلیم تیار کیا جائے جو ہماری دینی مذہبی، ثقافتی اور تمدنی ضروریات کو بھی پورا کرے اور عصری و ملی تقاضوں کے عین مطابق بھی ہو۔

نظام مدرسہ ایک ایسا نظام تعلیم ہے جس کا خمیر مذہبی تعلیم سے اٹھایا گیا ہے اور جس کا واحد مقصد قرآن حکیم کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن افسوس کہ اس آٹھ سالہ نظام تعلیم میں جتنی کم توجہ قرآن پر دی جاتی ہے اور جتنا کم قرآن حکیم پڑھایا جاتا ہے اتنا کم کوئی اور علم نہیں پڑھایا جاتا الا ماشاءاللہ۔ بالعموم اصل متن کو نظر انداز کرکے شروح اور حواشی پر زور دیا جاتا ہے ہمارے روائتی علماء نے قرآن حکیم جیسی واضح اور آسان کتاب کے ساتھ بھی یہی سلوک روا رکھا کہ براہ‌راست پڑھنے کی بجائے اسے دیگر علوم مثلاً فلسفہ، منطق، کلام، ادب، معانی، بیان اور بلاغت وغیرہ کے ذریعہ سے سمجھنے کی تعلیم دی۔

نظام مدرسہ میں قرآن حکیم کے ابتدائی اسباق سے لے کر اس کی ممتاز ترین تفاسیر تک شامل نصاب قرار دی جاتی ہیں۔ اور دعویٰ اس بات کا کیا جاتا ہے کہ اس نصاب کا پڑھنے والا قرآن حکیم کا نہ صرف ایک متبحر عالم ہوتا ہے بلکہ وہ قرآن کی تفسیر خود بھی عصری اور ملی تقاضوں کے مطابق کر سکتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس نصاب تعلیم کو پڑھ کر فارغ التحصیل ہونے والا نوجوان اکثر اوقات مطالب قرآن سے بھی کماحقہ واقف نہیں ہوتا ہے۔ نظام مدرسہ اس میں اتنی بھی صلاحیت پیدا نہیں کرتا کہ وہ قرآن

حکیم کی عبارت کو کما حقہ سمجھ سکے، تفسیر کرنا اور اجتہادی رائے قائم کرنا تو بہت بڑی اور بعد کی بات ہے۔

آئیے اب ہم ذرا تفصیل سے اس امر کا جائزہ لیتے ہیں کہ نظام مدرسہ میں قرآن حکیم کی تدریس کس طرح ہوتی ہے اور ان میں کن کن اصلاحات کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ہم قرآن حکیم کے متن کی تدریس سے لے کر اس کی اعلیٰ تعلیم تک بحث کریں گے۔

جب بچہ قرآن حکیم پڑھنا شروع کرتا ہے تو یقینا اسے ایک قاعدہ سے ابتداء کرائی جائے گی۔ یہ قاعدہ اس قسم کا ہونا چاہئےجو ایک طرف تو آسان، عام فہم، اور بچے کی ذہنی سطح کے مطابق ہو اور دوسری طرف اس میں بچے کے لئے دلچسپی اورکشش کا سامان بھی پایا جائے۔ لیکن ہمارے ہاں جو قاعدے مثلاً نورانی قاعدہ، بغدادی قاعدہ، آسان قاعدہ قرآن، یسرنا القرآن، اور قرآنی قاعدہ وغیرہ، مروج ہیں وہ بچے کی ضروریات کو بالکل پورا نہیں کرتے۔ ان قاعدوں میں بچے کی دلچسپی اور کشش کا کوئی سامان نہیں ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ قرآن حکیم کا کوئی ایسا قاعدہ تیار کرنا ممکن ہی نہیں جو بچے کی ضروریات کو پورا کرے تو یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی، ہماری رائے میں ایسا کرنا بالکل ممکن ہے۔ بلکہ اس وقت جو مختلف قسم کے قاعدے پاکستان کے مختلف خطوں میں مختلف مکاتب فکر کی زیر نگرانی پڑھائے جاتے ہیں، اگر ان سب کو جمع کر لیا جائے اور ان کے اچھے اچھے اصول و قواعد یکجا کرلئے جائیں اور باقی رطب و یابس کو چھوڑ دیا جائے تو بھی ایک معیاری قاعدہ وجود میں آسکتا ہے۔

قرآن حکیم کی تدریس کے لئے قاعدہ کی اہمیت اور ضرورت کے پیش نظر ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآن حکیم کی تدریس کے ماہرین بچوں کی نفسیات کے ماہرین، علمائے کرام اور جدید تعلیم کے ماہرین پر مشتمل ایک ایسی

کمیٹی قائم کی جائے جو ایک معیاری قاعدہ تیار کرے۔ ہماری رائے میں ایسا قاعدہ باتصویر اور رنگین ہونا چاہئے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ عام فہم بھی ہو۔ اور اس میں تدریجی ارتقاء کی رفتار ایسی ہونی چاہئے جسے ہر ذہنی سطح کا بچہ قبول کرسکے۔ اور قواعد کے لئے جو مثالیں تلاش کی جائیں وہ قرآن سے اخذ کی جائیں تاکہ بچہ شروع سے ہی قرآنی الفاظ سے مانوس ہوتا جائے۔

قاعدے کے بعد دوسرا درجہ اساتذہ کا ہے۔ ہمارے ہاں قرآن حکیم کی تدریس کا کام زیادہ تر وہ لوگ کرتے ہیں جو اور کسی کام کے قابل نہیں ہوتے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کی نیت بالکل نیک اور جذبہ بہت صادق ہوتا ہے۔ لیکن ان کی ناتجربہ کاری اور تدریسی تکنیک سے عدم واقفیت کا کیا کیا جائے۔ چنانچہ ان میں سے ہر شخص اپنی مرضی اور منشاء کے مطابق تدریس کے فرائض انجام دیتا ہے۔ وہ عام طور پر مارپیٹ اور سختی سے کام لیتے ہیں جس کے نتیجہ میں بہت سے بچے مارپیٹ کے ڈر سے ابتداء میں ہی پڑھنا چھوڑ جاتے ہیں اور جو بچے آخر وقت تک پڑھتے رہتے ہیں وہ ایسا قرآن شریف پڑھتے ہیں جسے سن کر یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ بچے اللہ تعالی کی کتاب تو نہیں پڑھ رہے باقی جو کچھ بھی وہ پڑھ رہے ہوں۔

اس خرابی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں قرآن کی تدریس کا کوئی منظم بندوبست نہیں ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ قرآن کی تدریس منظم انداز میں کرائی جائے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ معیاری قاعدہ ترتیب دینے کے بعد اس کی تدریس کے لئے اساتذہ تیار کئے جائیں۔ اساتذہ کی تیاری کے لئے "تربیت گاہ معلمین قرآن" کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جائے جو اساتذہ کی تربیت کرے اور اس ادارہ کے تربیت یافتہ اساتذہ کو معقول مشاہرہ پر قرآن حکیم کی تدریس کے فرائض سونپے جائیں۔

اساتذہ کے بعد طریقہ تدریس زیر بحث آتا ہے۔ اگرچہ طریقہ تدریس اساتذہ

تک عملی طریق کار کا نام ہے جو اساتذہ کی تربیت سے خود بخود درست ہو سکتا ہے پھر بھی یہاں اس کی نشان دہی کی جاتی ہے۔ ہمارا طریقہ تدریس بھی بالکل پرانا ہے جو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ اس طریقہ میں کوئی چیز ذہن نشین کرانے کے بجائے رٹانے پر انحصار کیا جاتا ہے چنانچہ رٹنے والی تعلیم کی جملہ خرابیاں اس نظام تدریس میں موجود ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ جدید طریقوں سے قرآن کی تعلیم دی جائے۔ ابتدائی درجوں میں تختہ سیاہ کا استعمال عام کیا جائے۔ اور عملی مشقیں کرائی جائیں۔

یہاں تک تو ہم نے قرآن حکیم کے متن کی ابتدائی تدریس کا ذکر کیا ہے۔ اب ذرا آگے بڑھیں تو متن کی تدریس کے بعد قرآن مجید کے حفظ کرنے کا مرحلہ آتا ہے۔ ہمارے دینی مدارس میں قرآن مجید کو حفظ کرانے کا ایک الگ شعبہ ہوتا ہے جس میں بچے قرآن مجید کو زبانی یاد کرتے ہیں۔ اس شعبہ کے اساتذہ عموماً وہ لوگ ہوتے ہیں جو صرف الفاظ قرآن زبانی یاد کئے ہوئے ہوتے ہیں اور وہ معانی و مطالب قرآن سے یکسر بے بہرہ ہوتے ہیں اس لئے وہ خود لکیر کے فقیر ہوتے ہیں اور ایسے حفاظ پیدا کرتے ہیں جو معانی و مطالب سمجھے بغیر رٹ کر قرآن کے الفاظ یاد کرلیتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ کوئی ایسا طریقہ اپنایا جائے جس کی بدولت بچہ قرآنی الفاظ یاد کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے معانی و مطالب سے بھی آشنا ہو۔

ہمارے دینی مدارس میں قرآن حکیم کے تعلق سے ایک اور بات قابل توجہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں دینی مدارس میں کوئی مرتب لائحہ عمل نہیں ہے۔ یہ بات طے نہیں ہوتی کہ جب کوئی بچہ دینی مدارس میں داخل ہو تو اسے کس چیز سے ابتدا کرائی جائے۔ بعض اساتذہ پہلے قرآن حکیم حفظ کرواتے ہیں اور پھر دیگر علوم کی جانب توجہ دلاتے ہیں اور بعض دیگر اساتذہ قرآن حکیم کی تعلیم دئے بغیر بچے کو اسلامی علوم کی تعلیم دینا شروع کردیتے

ہیں ۔ جو کسی لحاظ سے بھی مناسب او مفید نہیں ہے ۔ اس لئے کہ بچہ جب قرآن حکیم سے آگاہ نہیں ہوگا تو وہ اسلامی تعلیمات سیکھنے کے اہل نہیں ہوسکتا لہذا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جو بچہ اسلامی تعلیم حاصل کرنا چاہے اسے سب سے پہلے قرآن حکیم حفظ کرایا جائے ۔ او پھر دیگر علوم اسلامیہ کی تعلیم دی جائے ۔

اس سے آگے بڑھیں تو قرآن حکیم کے معانی و مطالب، تفسیر، اصول تفسیر، اور مختلف علوم قرآنیہ کا درجہ آتا ہے ۔ ہمارے مدارس عربیہ میں کوئی پچیس کے قریب علوم و فنون پڑھائے جاتے ہیں ۔ جو سب پرانے زمانے کی یادگار ہیں ۔ اور نصاب میں شامل کتابیں بھی صدیوں پہلے کی تصنیف کردہ ہیں ۔ ان علوم و فنون کو پڑھانے کا مقصد یہ بتایا جاتا ہے کہ قرآن فہمی کا ملکہ پیدا ہو ۔ لیکن نتائج اس کے بالکل بر عکس ہیں ۔ دینی طلبہ ان علوم و فنون اور فقہ کی موشگافیوں میں اس قدر منہمک ہوجاتے ہیں کہ اصل متن قرآن ان کے لئے ثانوی چیز بن کر رہ جاتا ہے ۔ اور جب دینی طلبہ تعلیم سے فارغ ہوتے ہیں تو وہ ذہنی طور پر قطعاً بالغ نہیں ہوتے ۔ ان کا ذہن پراگندہ خیالات کی آماجگاہ ہوتا ہے ۔ اور انہیں کسی بھی مضمون میں مہارت حاصل نہیں ہوتی ۔

رہا تدریس تفسیر کا مسئلہ تو اس تعلق سے پہلی بات تو یہ ہے کہ سب سے پہلے اصول تفسیر پڑھائے جائیں ۔ لیکن ہمارے مدارس میں اصول حدیث تو پڑھائے جاتے ہیں مگر اصول تفسیر نام کی کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی ۔ افسوس ناک امر یہ ہے کہ اس موضوع پر کوئی جامع کتاب تا حال ہماری نظر سے نہیں گزری ۔ ہماری رائے میں اصول تفسیر کی تدریس کا بنیادی پتھر یہ ہے کہ سب سے پہلے اس پر ایک جامع اور مفصل کتاب لکھی جائے اور

اس کے بعد اس کتاب کو شامل نصاب کرکے جو مدرسہ میں لازمی طور پر پڑھائی جائے۔

علم تفسیر کے بارے میں بھی ہمارے طلبہ کو کچھ نہیں پڑھایا جاتا۔ آپ مدارس عربیہ کا سارا نصاب پڑھ جائیے ہزاروں صفحات پر مشتمل اس نصاب میں آپ کو تفسیر کی صرف دو کتابوں کے نام ملیں گے اور وہ ہیں تفسیر جلالین اور تفسیر بیضاوی۔ تفسیر جلالین کو تو تفسیر کہنا بجائے خود محل نظر ہے۔ کیونکہ یہ بات ہماری سمجھ سے بالا تر ہے کہ وہ کتاب جس کے اپنے الفاظ قرآنی الفاظ سے کم یا قرآنی الفاظ کے لگ بھگ ہوں اسے تفسیر کس طرح کہا جاسکتا ہے۔ ہماری رائے میں یہ کتاب زیادہ سے زیادہ قرآن پاک کا عربی زبان میں رواں ترجمہ کہی جاسکتی ہے۔ اس لئے پاکستانی طلبہ کے لئے جلالین کی نسبت شاہ عبدالقادر صاحب کی موضح القرآن کہیں بہتر ہے کیونکہ وہ مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ عام فہم ہے اور اردو زبان میں لکھی گئی ہے۔

جو دوسری تفسیر شامل درس ہے۔ وہ تفسیر بیضاوی ہے۔ اس تفسیر کا تعلق دور وسطیٰ کے مفسرین کی تفسیر سے ہے۔ یہ تفسیر اپنی جگہ اور اپنے دور کے طلبہ کے لئے بہت موزوں اور مفید تھی۔ اور عین ممکن ہے کہ اس وقت بھی بعض تفسیری پہلوؤں کے لئے نہایت موزوں ہو۔ لیکن وہ سب تفسیری ضرورتوں اور تدریس تفسیر کے سب تقاضوں کو پورا نہیں کرتی۔ اس پر بھی اکتفا کرلیا جاتا تو شاید کچھ فائدہ مند ہوتا لیکن عقلی علوم کی قینچی نے یہیں بس نہیں کی بلکہ یکدم سے تفسیر بیضاوی کا باقی سارا حصہ کاٹ دیا اور صرف سورۃ البقرہ کو شامل نصاب رہنے دیا اور سہل انگار اساتذہ نے اسے اور بھی گھٹا کر سورۃ البقرہ کے ربع اول تک محدود کردیا۔ گویا اب مدارس عربیہ میں تفسیر قرآن کا صرف ایک چوتھائی پارہ پڑھایا جاتا ہے۔ اس نصاب تعلیم کی تکمیل کے بعد جس قسم کے علماء تیار ہونگے اس کا اندازہ بخوبی

لگایا جاسکتا ہے۔

اور ایک امر جس کی جانب توجہ دینا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے دینی مدارس میں قرآن حکیم کا اردو ترجمہ تک باقاعدہ نہیں پڑھایا جاتا۔ چند ایک مدارس کو چھوڑ کر باقی سب کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ابتدائی چند پاروں کا ٹوٹا پھوٹا ترجمہ طالب علم کو اس دور میں پڑھا دیتے ہیں جب کہ وہ ذہنی طور پر قرآن پاک کا ترجمہ سمجھنے کا اہل ہی نہیں ہوتا۔

ترجمہ اور تفسیر کے تعلق سے ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ یہ دونوں مضامین پڑھاتے وقت علماء اپنے مکتب فکر کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ ان کے پیش نظر یہ بات ہرگز نہیں ہوتی کہ حق بات کی تلاش جاری رکھی جائے۔ بلکہ وہ تو اپنے مکتب فکر کی تبلیغ کرنا دینی تعلیم کا لازمہ خیال کرتے ہیں۔ یہ ان کا خود ساختہ احتیاط یہیں تک محدود نہیں ہے بلکہ انہوں نے اپنے ذہن میں ایک بات سوچ لی ہے کہ فلاں تفسیر پڑھائی جائے اور بس۔ انہیں اس سے کوئی سروکار ہی نہیں ہوتا ہے کہ یہ تفسیر عصری اور ذہنی ضروریات کو پورا بھی کرتی ہے یا نہیں اور اس تفسیر سے بہتر کوئی تفسیر ہے یا نہیں۔

ہماری رائے میں دینی مدارس میں تدریس تفسیر کے لئے ایسے اصول وضع کئے جائیں جو ایک طرف تو ہمیں اپنے ماضی سے مربوط رکھیں یعنی ہم قدیم تفسیری مواد کو بھی اپنے نصاب سے خارج نہ کریں اور اس کے ساتھ ساتھ ایسا تفسیری مواد بھی شامل نصاب کریں جو ہمارے ذہنی اور عصری تقاضوں کو پورا کرے۔ اور ایسا کرتے وقت ہمیں صرف حق اور سچ کی تلاش پیش نظر رکھنی چاہئے اور دیگر تمام معیاروں کو یکسر ختم کر دینا چاہیے۔

ہماری رائے میں درس نظامی جو کہ آٹھ سال کی مدت تعلیم پر مشتمل ہے اس میں قرآن حکیم اور تفسیری مواد کو مندرجہ ذیل طریقہ سے سمویا جائے

تو مفید نتائج نکلنے کی توقع کی جاسکتی ہے ۔

آٹھ سالہ مدت کا آغاز قرآنی ناظرہ اور حفظ کی تعلیم کے بعد سے کیا جائے ابتدائی دو سالوں میں قرآن حکیم کا رواں ترجمہ شروع سے آخر تک پڑھایا جائے۔ اس کے بعد ایک سال اصول تفسیر اور تاریخ تفسیر کی تعلیم دی جائے۔ اس کے بعد مختلف تفاسیر جس میں آسان و مشکل اور ہر قسم کی تفاسیر شامل ہوں پڑھائی جائیں ۔ ابتدائی سالوں میں آسان تفاسیر جیسے تفسیر جلالین تفسیر جمل وغیرہ کو شامل نصاب کیا جائے۔ اس کے بعد ہرسال کم از کم تین تفاسیر شامل تدریس ہوں اور اس طرح آخری سال میں تفسیر رازی، تفسیر طبری تفسیر جواہر القرآن وغیرہ پڑھائی جائیں ۔ اور قرآن حکیم کو اس طرح سے تقسیم کیا جائے کہ وہ ان پانچ سالوں میں مختلف تفاسیر کے ذریعے سارے کا سارا پڑھایا جا سکے۔ اور آخر میں ایک امتحان لیا جائے جس میں جملہ نصاب پر مشتمل سوالات پوچھے جائیں ۔ اور اگر طلباء اس امتحان میں کامیاب نہ ہوں تو انھیں مزید ایک سال صرف قرآن اور تفسیر کی تعلیم دی جائے۔ تاکہ جب وہ سند حاصل کرکے جائیں تو کم از کم قرآن کے مفہوم و مطالب کو خود بھی سمجھ سکیں اور دوسروں کو بھی سمجھا سکیں ۔

یہاں تک ہم نے دینی مدارس میں قرآن اور علوم قرآنیہ کی تدریس کا ذکر کیا اب ہم اسکولوں کالجوں اور جامعات میں قرآن حکیم کی تدریس کا جائزہ لیتے ہیں ۔ اس نظام تعلیم میں بھی قرآن حکیم کے ساتھ کم و بیش وہی سلوک کیا جاتا ہے جو دینی مدارس میں کیا جاتا ہے ۔ فرق صرف اتنا ہے کہ دینی مدارس اپنے کو قرآن کی تعلیم دینے کے دعویدار گردانتے ہیں جب کہ زیر نظر نظام تعلیم میں ایسا کوئی دعوی نہیں کیا جاتا۔ اس نظام نے مسلمان بچوں کے لئے قرآن حکیم کی تدریس کا بندوبست کردیا ہے جب کہ ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان بچوں کو نہ صرف قرآنی الفاظ بلکہ اس کے معانی

و مطالبہ سے بھی پورا کیا جائے۔

جیسا کہ اس مضمون کے شروع میں ذکر کیا گیا کہ ہمارا نظام تعلیم ہماری مذہبی ضروریات کو پورا نہیں کرتا۔ یہ ایک علیحدہ عنوان ہے کہ ہم کونسی بنیادی تبدیلیاں کریں جو اس نظام کو مذہبی ضروریات پورا کرنے والا بنادے۔ اس وقت ہم صرف مروجہ نظام تعلیم میں قرآن کی تدریس کا ذکر کرتے ہیں۔ اس نظام میں دینی مدارس کے نصاب کی طرح بڑی خرابی یہ ہے کہ قرآن مجید پورا کہیں نہیں پڑھایا جاتا بلکہ اس کے بعض حصے شامل نصاب کرائے گئے ہیں۔ قرآن کوئی ادب کی کتاب نہیں اور نہ ہی تاریخ یا قصہ کہانیوں کی کتاب ہے جس کا کچھ حصہ نمونہ کے طور پر پڑھایا جائے بلکہ قرآن مجید مسلمانوں کے اصول حیات کا مجموعہ ہے جو شروع سے آخر تک یکساں اہمیت کا حامل ہے اور اس کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک فقرہ ہمارے لئے اہم ہے اس لئے نصاب تعلیم میں ایسی بنیادی تبدیلیاں ہونا ضروری ہیں جن کی وجہ سے پورا قرآنی متن شامل نصاب ہوجائے تاکہ تعلیم کا مقصد پورا ہوسکے۔

ابتدائی درجوں میں جو اساتذہ قرآن کی تدریس پر مامور ہوتے ہیں وہ عام طور پر ایسے اساتذہ ہوتے ہیں جو میٹرک کا امتحان پاس کرکے جے وی یا ایس وی کرنے کے بعد معلمی کا پیشہ اختیار کرتے ہیں۔ وہی اساتذہ قرآن مجید بھی پڑھاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے اساتذہ قرآنی تدریس کی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتے۔ نہ ان کا تلفظ درست ہوتا ہے نہ ہی وہ قرآنی تدریس کے قواعد اور نفسیاتی اصولوں سے آگاہ ہوتے ہیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ پچھلے چند سالوں سے تعلیمی کورسوں میں داخلے کے وقت قرآن حکیم بھی پڑھوا کر سنا جاتا ہے لیکن اولاً تو یہ اعلیٰ امتحانوں جیسے بی ایڈ اور ایم ایڈ کے نصابوں تک محدود ہے ابتدائی

تعلیمی کورسوں میں اسے کوئی عمل دخل نہیں ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آج تک کسی امیدوار کو اس بنیاد پر مسترد نہیں کیا گیا کہ وہ قرآن حکیم پڑھنے سے قاصر ہے ۔ اس لئے ہماری رائے میں سب سے پہلے اساتذہ کی اصلاح ضروری ہے ۔

اساتذہ کی تربیت کے مختلف نصاب اور مدت ختم کرکے اب وفاقی حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اساتذہ کا تربیتی نصاب تین سالوں پر مشتمل ہوگا ۔ یہ بظاہر ایک مستحسن اقدام ہے ۔ تاہم یہ مفید اور کارآمد اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ اساتذہ کے لئے قرآن حکیم کی تدریس کو نصاب میں لازمی مضمون کی حیثیت سے شامل کیا جائے ۔ ہماری رائے میں اس تربیتی مدت کے پہلے سال میں اساتذہ کو ناظرہ قرآن پڑھایا جائے ۔ اور اس بارے میں جتنی سختی ممکن ہو سکے روا رکھی جائے اور کامیابی کا معیار کم از کم پچاس فیصد مقرر کیا جائے اس کے بعد والے سال میں اساتذہ کو قرأت و تجوید کی تعلیم دی جائے اور آخر سال میں قرآن مجید کے اس حصہ کا ترجمہ و تفسیر پڑھائی جائے جو دسویں جماعت تک کے نصاب میں شامل ہوتا ہے ۔ پھر یہ سلسلہ یہیں ختم نہ کردیا جائے بلکہ ہر سال موسم گرما کی تعطیلات کے دوران اساتذہ کو ریفریشر کورس کرایا جائے ۔ اور اس کام کے لئے ماہرین علوم اسلامیہ اور قراء کی خدمات حاصل کی جائیں ۔

اساتذہ کے بعد نصاب زیر بحث آتا ہے ۔ آپ ہمارے پورے نصاب کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ قرآن مجید کے مختلف حصوں کو شامل نصاب کر لیا گیا ہے ۔ اور اگر ان سب ٹکڑوں کو ملا بھی دیا جائے تو پورا قرآن شامل نصاب نہیں ہوتا ۔ افسوسناک امر تو یہ ہے کہ علوم اسلامیہ کا ایم اے کرنے والا طالب علم بھی پورا قرآن نہیں پڑھ پاتا اور مزید قابل توجہ بات یہ ہے کہ جامعہ اسلامیہ میں بھی جو صرف اسلامی تعلیمات کے لئے قائم ہوئی پورا قرآن

شامل نصاب نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے طلبہ قرآن حکیم کی پوری تعلیمات سے آگاہ ہی نہیں ہو پاتے۔

ہماری رائے میں قرآن حکیم کو زبان اور مسائل کے لحاظ سے مختلف حصوں میں تقسیم کردیا جائے اور ان حصوں کو مرحلہ وار اس طرح جزو نصاب بنایا جائے کہ ابتدائی درجوں میں اس کا آسان ترین حصہ شامل کیا جائے اور اسی طرح بڑھتے بڑھتے اعلی درجوں میں مشکل ترین حصہ شامل ہو اور سارے کا سارا قرآن مجید زیر مطالعہ آجائے۔ اس تجویز پر اسی وقت عمل درآمد ہو سکتا ہے جب کہ کم از کم بی اے بی ایس سی تک قرآن کا ایک پرچہ لازمی طور پر شامل نصاب کیا جائے۔

نصاب کے بعد طریقہ تعلیم کو نمایاں اہمیت حاصل ہے۔ موجودہ طریقہ یہ ہے کہ طلبہ عربی زبان سیکھے بغیر قرآن مجید کا مطالعہ شروع کردیتے ہیں۔ وہ نہ تو متن پڑھ سکتے ہیں اور نہ ہی جملوں کی ساخت اور معانی کے اتار چڑھاؤ کو سمجھ سکتے ہیں بلکہ طوطے کی طرح رٹ کر امتحان پاس کر لیتے ہیں جس کے نتیجہ میں ایک جانب تو ان کی فطری قوتیں مفلوج ہوتی ہیں اور دوسری جانب رٹا ہوا علم چند دنوں میں ذہن سے مٹ جاتا ہے۔ اس کا آسان حل یہ ہے کہ طلبہ کو ابتدائی درجوں میں اتنی عربی ضرور پڑھائی جائے کہ وہ جملوں کی ساخت اور قرآن مجید کی عبارت کی ترکیب سمجھنے لگیں اور پھر ان کے ذخیرہ الفاظ میں اضافہ کرا دیا جائے۔ لیکن واضح رہے کہ اس مقصد کے حصول کے لئے دینی مدارس کی طرح سالہا سال تک صرف و نحو کی پیچیدہ اور گنجلک کتابیں پڑھانے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ سیدھی سادی اور عام فہم زبان میں عربی زبان کے قواعد سمجھا دینے کافی ہیں جو طالب علم میں عربی سمجھنے کی سوجھ بوجھ پیدا کر دیں۔

طلبہ چونکہ سب کچھ اساتذہ ہی سے سیکھتے ہیں اس لئے اساتذہ کو

قرآن کی تدریس اس طرح کرنی چاہئے کہ وہ طلبہ پر بوجھ نہ بننے پائے ۔ اور قرآن کو کوئی نظری کتاب خیال کرکے نہیں پڑھانا چاہئے بلکہ اسکی تدریس اس طرح ہونی چاہئے کہ وہ ایک لائحہ عمل اور ضابطہ حیات ہے ۔ جس کے لئے اساتذہ پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ پہلے خود کو قرآن کے سانچے میں ڈھالیں اور قرآن مجید کے مطابق اپنی زندگیاں بسر کریں ۔

طریقہ تعلیم کے ضمن میں یہ بات خاص طور سے توجہ طلب ہے کہ عربی اور علوم اسلامیہ کی تعلیم دینے والے اساتذہ جدید طریقہ تعلیم کو اپنانے سے گریز کرتے ہیں ۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآن مجید پڑھانے والے اساتذہ طلبہ کی نفسیات کو سمجھیں اور ان کے ذہنوں کے قریب ہو کر اس کی تعلیم دیں ۔ اور اس کے ساتھ ہی عملی مشقوں پر زیادہ زور دیں اور عملی زندگی میں کام آنے والے احکام اور آیات کو روز مرہ کی زندگی کے مسائل پر اس طرح سے منطبق کرکے طلبہ کو بتائیں کہ وہ ان کے ذہن نشین ہو جائیں تاکہ مستقبل کی عملی اور دشوار گزار زندگی میں جب کہ ان طلبہ کو جو کل کے ذمہ دار شہری اور مسلمان ہیں کوئی ایسی مشکل درپیش ہو تو وہ قرآن کے اس حکم پر عمل کرسکیں ۔

جب ہم قرآن حکیم کی تدریس یا تعلیم کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے ہماری مراد ہرگز یہ نہیں ہوتی کہ ہم قرآن مجید کا صرف متن پڑھانا چاہتے ہیں بلکہ اس سے ہماری مراد یہ ہوتی ہے کہ متن کی تصحیح کے ساتھ ساتھ اس کے معانی و مطالب بھی ذہن نشین کرائے جائیں اور حتی الوسع ان پر عمل بھی کرکے دکھایا جائے ۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک بہت بڑا کام ہے اور آسانی سے پورا نہیں ہوسکتا ہے بلکہ ہماری رائے میں تو موجودہ نظام تعلیم اور نصاب تعلیم میں اس مقصد کے حصول کی بہت کم گنجائش ہے اس لئے ضروری ہے کہ قرآن حکیم کی تدریس کے لئے ایک الگ نظام قائم کیا جائے ۔

اس دور میں جب کہ تخصص کی طرف رجحان بڑھ رہا ہے اور ہر چھوٹے سے چھوٹے مضمون میں تخصص حاصل کرنے کی کوشش شد و مد سے جاری ہیں۔ اور آئے دن مخصوص ادارے قائم ہورہے ہیں تو ان حالات میں قرآن حکیم کی تدریس کی مشکلات کا حل یہی ہو سکتا ہے کہ اس کی تدریس کے لئے ایک مستقل بالذات ادارہ قائم کیا جائے جس کا معیار و مرتبہ کسی حال میں ایک یونیورسٹی سے کم نہیں ہونا چاہئے۔ ایسا کرکے ہی ہم قرآن کی کچھ خدمت کرسکیں گے اور اپنی نوجوان نسل کو قرآن کی صحیح تعلیمات سے روشناس کرا سکیں گے۔